Al-ʻUlūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)
2020, 1(2), 107 - 135

برصغیر کے (منتخب) مسلم سلاطین کا طرز حکمرانی اور معاشرتی حالات: تجزیاتی مطالعہ

(Selective) Muslim Rulers' Style of Rulership and Social Structure in Subcontinent: An Analytical Study

Muhammad Mudassar Shafique* M. Sarfraz Khalid(Ph.D)**
*Ph.D. Scholar Islamic studies & Arabic Department, GCU, Lahore
** Associate Professor, Islamic studies & Arabic Department Garrison University,Lahore

Keywords:

Muslim Empire, Hindu Community, History, Subcontinent, Social Structure

Abstract: *During the reign of Muslim emperors in subcontinent, the society was paralleled in each field of life. Hindus and Muslims have differences in their religion as well as their culture but living together and bearing to each other. In start, the Muslims took strong measures to ensure their status on Hindus due to contradictions between the people of two religions but later on they tried to understand the culture, traditions and customs to each other. They became to involve with each other even arrange marriages in their families especially in Mughals time period and participated in religious functions of each other, Hindus were appointed on the high posts even Muslims took their advices. Hindus joined Army and their leadership in Army, Muslims occupied different areas of the region. In Akbar's duration, this coordination was on peak and created a Newly Deen which is known as (Deen e Elahi) in which mostly Islamic teachings were damaged but Islamic scholars took stand against it.*

Shafique, M.M. and Khalid, M.S. (2020).Selective Muslim Rulers' Style of Rulership and Social Structure in Subcontinent. An analytical Study. *Al-ʻUlūm Journal of Islamic Studies*, 1(2), *107 - 135*

© 2020 AUJIS. All rights Reserved

[1] Corresponding author, Email: muhammad mudassaraarbi@gmail.com

Content from this work is copyrighted by *Al-ʻUlūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے مدنی الطبع ثابت ہوا ہے اسی لیے وہ آپس میں مل جل کر رہتا ہے اور یہی وہ اسباب ہیں جو انسان کے باہمی میل جول کے نظام کا ربط پیدا کرتے ہیں۔ یہ رابطہ سیاسی بھی ہو سکتا ہے، سماجی بھی، علاقائی بھی ہو سکتا ہے اور قبائل پر مبنی بھی۔ کسی بھی ریاست میں رہنے والے طبقات یا گروہوں میں اگر ہم آہنگی نہ ہو تو کسی بھی موڑ پر کش مکش پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ اسلام کا ایک اعجاز رہا ہے کہ عرب سے نکل کر ایشیا، افریقہ اور یورپ تک اس نے اپنی دھاک بٹھائی اور اثر ورسوخ چھوڑا۔ برصغیر میں بھی جب اسلام آیا تو نصرتِ الٰہی سے یہاں بھی اُس نے اقتدار پر اپنا لوہا منوایا اور ہر دور میں برصغیر کے کسی نہ کسی علاقے میں باطل سے برسرپیکار رہا۔ یہاں غیر مسلموں کی تعداد کافی زیادہ تھی اور اُن کا مذہبی، سیاسی اور معاشرتی رہن سہن تک جداگانہ تھا۔

اس مقالہ میں ہم اس پہلو کو جانچنے کی سعی کریں گے کہ مسلمان حکمرانوں کے مختلف ادوار میں ان اقوام کا آپس میں تعلق کیسا رہا؟ یہ تعلق حکومتی سطح پر کیسا تھا اور عوامی سطح پر کیسا؟ ان کی معاشرت کیسی تھی اور آپسی معاملات کیسے طے پاتے تھے؟ موضوع کی نوعیت کے پیشِ نظر اس میں بیانیہ، تاریخی اور تجزیاتی طریقہ تحقیق کو اپنانے کی کوشش کی گئی ہے اور جہاں تک سابقہ کام کے جائزے کا تعلق ہے تو **"اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات: ایک تحقیقی جائزہ"** کے عنوان سے ایک مقالہ پاکستان جرنل آف اسلامک سٹڈیز، بہاو الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان میں چھپ چکا ہے۔

سلاطین ہند

جس دور میں (۱۲۵۵ء) مصر و شام میں غلاموں کی حکومت قائم ہوئی تو اس سے پچاس سال قبل ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی اور اس حکومت کا بانی قطب الدین ایبک تھا جو کہ شہاب الدین ایبک کا غلام تھا۔ مصر کی طرح دہلی کے غلام بادشاہ بھی نسلاً ترک تھے اور خاندان غلاماں کی حکومت کا دورانیہ تقریباً چوراسی (۸۴) سال ہے۔ اس دوران ان کے کل دس حکمران گزرے مگر شمس الدین التتمش اور غیاث الدین بلبن معروف ہوئے۔ لیکن یہاں سلاطین ہند کے خاندان میں سے کچھ مخصوص حکمرانوں اور ان کی سلطنت کے امور، احوال، اقتدار اور معاشرتی مسائل و حالات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

سلطان شمس الدین التتمش:(شہنشاہ ہند)(۱۲۱۱ء تا۱۲۳۶ء)

التتمش قراختانی ترکوں کے ایک بڑے گھرانے کا بیٹا ہے اس کے باپ کا نام ایلم خان اوراس کی ماں کا تعلق ”حنہ“ کے ایک معزز خاندان سے تھا۔ [1]اس کا باپ البری قبیلے کا سردار تھا اس نے اپنی دولت مندی، اپنے خدمت گاروں اور مصاحبوں کی کثرت کی وجہ سے آس پاس کے علاقوں میں بڑی شہرت حاصل کرلی تھی۔ التتمش اپنی صورت وسیرت کے لحاظ سے بھائیوں میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا جو کہ والد کی قربت خصوصی کا سبب بھی تھا۔ بھائیوں نے وہی سلوک کیا جو حضرت یوسفؑ کے ساتھ ان کے بھائیوں نے کیا۔ ترکستان کے اس یوسف کو گلہ بانی کے بہانے اس کے بھائیوں نے سوداگر کے ہاتھوں بیچ دیا۔ [2]سوداگر التتمش کو بخارا لے گیا جہاں صدر بخاری کے عزیز نے خرید لیا۔ کچھ عرصہ پاس رکھ کر جمال الدین کے ہاتھ اور اس نے قاضی بغداد کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ [3]جو اسے دہلی لے آیا اور قطب الدین نے ڈھائی ہزار روپے میں خرید لیا اور اپنے بیٹے کی طرح تربیت کی اور پھر گوالیار کا حاکم مقرر کر دیا اور ساتھ ہی عامل کا عہدہ دیا اور پھر بدایوں کا ناظم بنا دیا۔ شہاب الدین اور گکھڑوں کی آخری لڑائی میں التتمش نے بڑی بہادری دکھائی جس کی وجہ سے غوری نے ایبک کو اس کے آزاد کرنے کی سفارش کی۔ [4]ایبک نے آزاد کرنے کے ساتھ ہی اپنی بیٹی کے ساتھ اس کی شادی کر دی کیوں کہ اس کو بہت لائق وفائق سمجھتا تھا۔ [5]

آرام شاہ کی کمزور حکومت کے سبب ملک کی عوام کی استدعا سے التتمش اپنے لشکر سمیت بدایوں سے دہلی آیا اور اس پر متصرف ہوا اور اپنا خطاب سلطان شمس الدین التتمش رکھا۔ ۱۲۱۱ء میں تخت پر بیٹھا۔ [6] تخت پر بیٹھتے ہی اکثر ملوک و امراء کی رعایت کرتا اور وہ بھی اس کی اطاعت کرتے جب کہ بعض نے ایسی مخالفت کی کہ خونخوار فوج لیکر سلطان سے کارزار شروع کی۔ سلطان نے انہیں جمنا کے میدان میں شکست دی اور ترکوں کے نامی سردار فرخ شاہ کو قتل کیا، الغرض سلطنت کو اس خس و خاشاک سے پاک کیا۔ سال ۱۲۱۵ء میں پنجاب میں قبضہ کرنے کے بعد تھانسیر پر بھی تسلط جما لیا۔ التتمش نے اپنی فوجوں کو جمع کرنے کے بعد نارائن کے میدانوں میں اس پر جنگ مسلط کر دی اور اسے جنگی

1- محمد لطیف، **تاریخ پنجاب** (لاہور: ناشر تخلیقات، ۱۹۹۴ء)، ۲۲۳۔

2- فرشتہ، محمد قاسم، **تاریخ فرشتہ**، مترجم: عبدالحی خواجہ (لاہور: المیزان اردو بازار، ۲۰۰۴ء)، ۱: ۱۶۵۔

3- سجاد میرٹھی، **تاریخ ملت** (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۹۱ء)، ۳: ۴۴۴۔

4- مفتی شوکت علی فہمی، **ہندوستان پر اسلامی حکومت** (دین و دنیا پبلیشرز)، ۲۰۵۔

5- فرشتہ، مصدر سابق، ۱: ۱۶۶۔

6- محمد ذکاء اللہ دہلوی، **تاریخ ہندوستان** (مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ، ۱۹۱۵ء)، ۱: ۳۶۸۔

قیدی بنا لیا۔ ۱۲۱۷ء میں اپنے برادر نسبتی، ناصر الدین پر حملہ کر دیا اور فتح حاصل کی جو سندھ میں خود مختار بن گیا تھا۔[7] التتمش نے ہندوستان کو ہر قسم کی آفات سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی اور تمام ریاستوں کو اپنی مملکت میں شامل کیا، اپنے تمام حریفوں کو مغلوب کیا اور پورے ملک میں امن قائم کیا۔ انہی وجوہات کی بناء پر خاندان غلاماں کا دوسرا بانی قرار پایا۔ ۱۲۳۶ء میں انتقال کیا اور کل ۲۶ سال حکومت کی۔ مرنے سے پہلے اپنی بیٹی رضیہ کو جانشیں بنا دیا مگر اس فیصلے کو پسند کی نظر سے نہ دیکھا گیا۔[8]

التتمش ایک خدا ترس اور ایک نیک دل انسان تھا۔ اس نے کئی درسگاہیں اور خوبصورت عمارتیں تعمیر کروائیں اور عدل انصاف کے معاملے میں بڑا محتاط تھا۔ کیوں کہ اس نے یہ حکم دیا ہوا تھا کہ مظلوم لوگ رنگدار کپڑے پہنا کریں تاکہ انہیں دیکھتے ہی سلطان پہلے ان کی شکایات دور کر سکے[9] اور اس نے اپنے محل کے برجوں میں ایک زنجیر لٹکائی ہوئی تھی جس پر ایک گھنٹی بھی تھی کہ رات کو بوقت ضرورت ہر فریادی اسے بجا کر اپنی درخواست سلطان کے کانوں تک پہنچا سکتا تھا اس کے دور میں علوم وفنون اپنے عروج پر تھا اس کے پاس ۴۰ ترکی غلام تھے جنہیں اس وقت کے علوم وفنون میں مہارت حاصل کروائی گئی۔ لہذا ان کا شمار اس وقت کے ہندوستان کے امراء کبار میں ہونے لگا۔

غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶ء تا ۱۲۸۲ء)

غیاث الدین کا تعلق ترک قبیلے سے تھا اس کا باپ دس ہزار گھرانوں کا سردار تھا۔ بلبن کو ایک مغل نے سوداگر کے ہاتھ بیچا تو یہ سوداگر اس کو بغداد لے آیا اور مشہور و معروف بزرگ خواجہ جمال الدین کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خواجہ صاحب کو جب معلوم ہوا کہ بلبن اور التتمش کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہے تو کئی دوسرے غلاموں کے ساتھ اسے بھی پیش کیا گیا تو التمش نے ان غلاموں کی بڑی قیمت لگائی۔[10] وقت کے ساتھ بہرام نے اسے امیر آخور بنایا اور سلطان ناصر الدین نے بلبن کو خان اعظم کا خطاب دے دیا اور اپنا نائب مقرر کر کے سلطنت اس کے سپرد کر دی اور اس کا اہل ثابت کیا۔ ۱۲۶۶ء میں ناصر الدین کی وفات کے بعد تمام امراء نے بالاتفاق اس کو اپنا بادشاہ منتخب کر

7- حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ کے لیے التمش بالکل تیار نہ تھا۔ بے نظیر جنگی قابلیت کی وجہ سے یلدوز کو شکست دی اور التمش نے اس کو بدایوں میں قید کیا وہیں اس کی وفات ہوئی)۔ فہمی، مرجع سابق، ۲۰۶۔

8- جوزجانی، **طبقات ناصری** (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۸ء)، مترجم: ممتاز لیاقت، ۱: ۱۸۱۔ ۱۸۴۔

9- کیونکہ لوگ عام طور پر سفید رنگ کے کپڑوں کا استعمال زیادہ کیا کرتے تھے۔

10- فرشتہ، مصدر سابق، ۱: ۱۹۰۔

لیا۔ [11] بلبن کو ہندؤں پر اعتماد نہ رہا کیوں کہ ہندؤ امراء عہد حکومت کے امراء کے ساتھ مل کے بغاوتوں میں شامل تھے ۔ اس کے نزدیک جو رویہ ہندؤں کا محمود غزنوی سے لیکر اب تک رہا ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان پر اعتماد کرنا کھلی حماقت ہے وہ برہمنوں کے خلاف بڑی نفرت رکھتا تھا کیوں کہ یہ سازشیں کرنے اور عوام کو ابھارنے میں سب سے آگے ہوتے تھے۔ [12] محکمہ عدل و انصاف کی خوش تنظیمی حکومت کے وقار اور رعایا کے اطمینان کا باعث بنتی ہے لہذا بلبن نے نظام عدل میں اصلاح کی غرض سے سلطنت کے جملہ قاضیوں کو حکم دیا کہ مقدمات کے فیصلوں میں غیر جانبداری سے کام لیں۔ سلطنت میں اعلان کروایا گیا کہ ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ انصاف میں ایک جیسا سلوک ہو گا۔ چنانچہ بدایوں کے حاکم باربک خان نے جب اپنے ملازک کو پیٹتے ہوئے مار دیا تو اس ملازم کی بیوی نے آکر شکایت کی تو باربک کو ۵۰۰ سو کوڑے لگوائے گئے اور انہی کے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے موت کو گلے لگا لیا۔ اسی طرح اودھ کے گورنر ہیبت خان نے بھی کسی کو قتل کیا تو ہیبت خان کو اس کی بیوہ کے سپرد کر دیا گیا تو اس کی بیوہ کو ۳۰ ہزار روپے بطور ہرجانے کے ادا کر کے جان بچائی۔ [13] بلبن انتظام سلطنت کا اس قدر خیال رکھتا کہ کسی شخص کی اہلیت اور شرافت کے بارے میں جب تک معلوم نہ کر لیتا، کوئی عہدہ تفویض نہ کرتا اور اگر کوئی ملازم یا حاکم اصلاح و تقویٰ یا امانت سے منحرف ہوتا تو اسے فوراً معزول کر دیتا۔ سنجیدہ اور معقول لوگوں کو اپنی صحبت میں رکھتا، رذیل اور معمولی لوگوں سے بات نہ کرتا تھا۔ [14]

غیاث الدین بلبن نے تقریباً چالیس سال ہندوستان پر حکومت کی، اس کا زمانہ خیر و برکت کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ انتظام سلطنت، عدل و انصاف، دور اندیشی، رحم و کرم، ہنر شناسی الغرض ہر اعتبار سے اس کا دور بہترین دور تھا اس کی رعایا مسرور و مطمئن تھی۔ علما، فضلا و مشائخ کا ہجوم موجود تھا جن کا علم و فضل ہر جگہ نظر آتا تھا۔ ملک میں امن و سکون کی فضا نظر آتی تھی۔ عدل و انصاف کے معاملات میں امیر اور غریب برابر نظر آتے تھے اگر کوئی امیر زادہ اپنی دولت یا عہدے کے خمار میں کوئی غلط قدم اٹھاتا تو فی الفور مظلوم کی اعانت کے لیے بلبن کا منصفانہ طرز عمل نظر آتا تھا جس کی مثالین اوپر دی گئ ہیں۔

11- جوزجانی، مرجع سابق، ۱:۱۰۴۔

12- شوکت علی فہمی، مرجع سابق، ۲۳۰۔

13- فرشتہ، مصدر سابق، ۳:۱۹۱۔

14- سجاد میرٹھی، مرجع سابق، ۳:۴۴۴۔

خاندان خلجی کے دور حکومت میں معاشرتی استحکام

خلجی حقیقیت میں ترکی قوم تھی مگر ایک مدت سے افغانستان میں رہنے سہنے کے سبب پٹھان یا افغان کہلانے لگی اور ہند کے فتح کرنے میں ہمیشہ بادشاہان اسلام کی معاون و مددگار رہی۔ اس قوم کے جو لوگ ہند میں تھے ان کا سردار جلال الدین، سلطان کیقباد کا وزیر بن گیا تھا۔ بادشاہ کو قتل کر کے تخت نشین ہوا اور خاندان کا بانی تصور کیا جاتا ہے اس خاندان کی حکمرانی کی عمر تقریباً ۳۰سال ہے۔[15] لیکن یہاں ہم خلیجی خاندان کی اصل پہچان سکندر ثانی کے نام سے مشہور اور اس دور میں انقلاب برپا کرنے والے سلطان علاؤالدین خلیجی کی سلطنت کے اسلامی معاشرے اور حالات و وسائل کو زیر بحث لایا جائے گا۔

سکندر ثانی (علاؤالدین خلجی) (۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء)

سلطان علاؤالدین، محمد شاہ خلجی کا بیٹا تھا۔ جب سلطان رکن الدین ابرہیم ملتان کی طرف چلا گیا تو اسی سال وہ ۱۲۹۶ء میں امراء کے اتفاق رائے سے قصر شاہی میں تخت نشیں ہوا۔[16] نظم و نسق، فتوحات، دولت اور جاہ و حشمت کے پہلوؤں سے ایسا کامیاب حکمران ثابت ہوا کہ جس کی تاریخ میں ایک نمایاں حیثیت ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ظالم اور سفاک انسان تھا، جاہل تھا لیکن مستقل ارادوں کا مالک اور بیدار رہنے والا انسان تھا۔ دکن تک سلطنت کی حدود پہنچانے میں علاؤالدین کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ بڑے بڑے راجاؤں نے سر تسلیم خم کیا اور دولت کے انبار لگ گئے، علما و فضلا سر زمیں دہلی میں پیدا ہونے لگے۔ خانقاہوں اور مساجد کی رونقیں دوبالا ہو گئیں، درس و تدریس کا مشغلہ عام ہو گیا۔ بڑے بڑے صاحبان دل اسفیاء و ارباب ذوق مشائخ رونما ہو گئے۔ سلطنت کی ایسی نظیر پہلے نہ تھی۔

اندرون خانہ خطرات سے نمٹنے کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ سلطنت مستحکم ہو چکی ہے تو اس نے مزید فتوحات کی طرف دھیان دیا۔ گجرات اسلامی حکومت کا مقبوضہ علاقہ تھا مگر وہاں کے راجہ کرن رائے نے خود مختاری کا اعلان کیا جس کی وجہ سے علاؤ الدین نے اپنے دونوں بھائیوں الغ خان اور نصرت خان کو لشکر کے ساتھ بھیجا اور فتح حاصل کی۔[17] ان فتوحات نے علاؤالدین کی طاقت میں اور بھی اضافہ کر دیا اور وہ اس حد تک جا پہنچا کہ موصوف نبوت

15- ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، **تاریخ ہند** (لاہور: ایجوکیشنل پبلیشرز، ۱۹۱۳ء)، ۱۹۹۔

16- ضیاء الدین برنی، **تاریخ فیروز شاہی**، مترجم: ڈاکٹر سید معین الحق (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۴ء)، ۳۷۰۔

17- فہمی، مرجع سابق، ۲۴۶۔

کے خواب دیکھنے لگا اور خلفاء راشدین کی دلیل پر قیاس کرتے ہوئے اپنے "چاروں خان"[18] کی بناء پر نئے مذہب کی ایجاد کا سوچنے لگا لیکن امراء اور علمانے اسے اس عمل سے دور رہنے کا مشورہ دیا اور ساتھ ہی چنگیز خان اور اس کی اولادوں کی مثالیں پیش کی گئیں کہ وہ مسلمانوں کی خون کی ندیاں بہانے کے باوجود دین محمدی ﷺ کو برطرف نہ کر سکا اور چند ہزار سال اپنے مذہب کو ترکستان میں رائج رکھ سکا۔ اس کی مزید اشاعت کرنا چاہتا تھا مگر نہ کر سکا۔[19] علاؤ الدین اپنے دور حکومت سے قبل کی ہنگامہ خیزیوں اور بغاوتی اعمال سے خوفزدہ رہتا تھا اس لیے اس نے امراء سے بغاوت و سرکشی کے دروازے بند کرنے کے بارے میں مشاورت کی۔ امراء نے تبادلہ خیال کے بعد چار چیزوں کو بغاوت کا سبب قرار دیا۔

اول: بادشاہ کا رعایا سے بالکل بے خبر رہنا اور اچھائی یا برائی کی پرواہ نہ کرنا۔

دوم: شراب نوشی کا رواج عام ہونا۔ انسان کی نفسانی خواہشات میں شدت کے سبب بدنیتی کا مادہ بھرتا ہے۔ جس کی بناء پر ہم خیال لوگ ملک میں ہنگاموں اور شورشوں کی آگ بھڑکاتے ہیں۔

سوم: امراء اور اراکین سلطنت کا آپس میں گہرے مراسم رکھنا، جس کے باعث غلط افعال کے ارتکاب میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا۔

چہارم: مال و دولت کی فراوانی، کم ظرف اور کم حیثیت لوگوں کو روپے کا ملنا ذہنوں میں طرح طرح کے خیالات کا سبب بنتا ہے اور حکومت پر قبضہ کرنے کی حرص پیدا ہونے لگتی ہے۔[20]

علاؤ الدین اس تمام گفتگو کو سن کر متنبہ ہوا اور اس نے جاسوسی کے محکمے قائم کیے کیوں کہ اس دور میں بغاوتوں کا سلسلہ بڑا طول پکڑ تا جا رہا تھا اور تخت نشیں بادشاہ ان تمام معاملات سے بے خبر ہوا کرتے اور رات ہی رات میں پانسے الٹ جاتے۔ بادشاہوں کے درباروں میں تعریف کے قصیدے جب کہ کمر پیچھے قتل کی سازشیں اس معاشرے کا خاصہ تھیں۔ محمد قاسم فرشتہ ان کا ذکر کچھ یوں کرتا ہے:

> اس معاشرتی وباء کے خاتمہ کے لیے علاؤ الدین نے جاسوس مقرر کیے اور خبر رسانی کا ایسا انتظام کیا کہ رات کو گھروں میں کی گئی گفتگو بھی بادشاہ کے علم میں ہوتی تھی۔ امراء کو صبح پرچے پر لکھ کر بتا دیا جاتا تھا کہ رات کو تم نے کیا گفتگو کی جس کی بناء پر لوگ خائف ہونے لگے، خلوت و جلوت میں بات کرنا دشوار ہو گیا لہذا سازش اور

---

[18] ا۔ الغ خان ۲۔ نصرت خان ۳۔ الپ خان ۴۔ ظفر خان۔

[19] محمد ذکاء اللہ دہلوی، مرجع سابق، ۲:۴۵۔

[20] فرشتہ، مصدر سابق، ۱:۲۵۲۔

> سرگوشی کا سدباب ہو گیا۔ دوسرا انتظام شراب نوشی کی بیخ کنی تھی جو کہ معاشرے میں اس قدر عام تھی کہ عوام الناس تو کجا خود بادشاہ بھی عادی تھا لیکن اس نے اپنی طبیعت پر جبر کیا، اپنے آبدار خانہ کو درہم برہم کیا، چینی کے برتن تڑوا دیئے اور اعلان کروا دیا کہ بادشاہ نے شراب سے توبہ کر لی ہے۔ اب اگر کوئی شراب نوشی کرے گا یہاں تک کہ بنائے گا تو بھی قتل کر دیا جائے گا۔ بادشاہ وقت نے امراء کے آپس میں تعلقات، رشتے ناطے اور دعوت وطعام پر پابندی عائد کر دی، اراکین سلطنت آپس میں بیگانے ہو گئے اگر کسی امیر کے ہاں کوئی مہمان آ جاتا یا امراء آپس میں کسی سے رشتہ کرنا چاہتے تو بادشاہ سے خاص اجازت لی جاتی۔ دولت کی فراوانی کو ختم کر کے وہ تمام قصبات جو معافی یا کسی اور وجہ سے رعایا کے قبضہ میں تھے، شاہی تحویل میں لے لیے گئے۔ ہر امیر غریب پر جائز وناجائز ہر طرح کا اثر ورسوخ ڈال کر تمام دولت شاہی خزانے میں جمع کرا دی۔ نتیجتاً عوام کھانے پینے سے محتاج اور روزگار حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ میں لگ گئے اتنی فرصت ہی نہ رہی کی ہنگاموں کی طرف توجہ ہو۔[21]

برصغیر کے تمام ادوار حکومت میں راہزنی اور لوٹ مار کا معاملہ عام رہا ہے، نہ کسی کی جان محفوظ اور نہ کسی کا کوئی پرسان حال ہوتا۔ لیکن خلیجی نے ملک کے تمام راستوں کو اس قدر محفوظ کر دیا کہ قافلے آزادی کے ساتھ آتے جاتے اور مال کو رات میں بغیر کسی سبب کے کھلا چھوڑ دیتے۔ راہزنی و قزاقی بالکل مفقود ہو چکی تھی۔ حکومت شودھری اور مقدم سے وصولی مالگزاری کیا کرتے اور عوام کو سخت تنگ کیا کرتے۔ سلطان نے پیمائش کے مطابق مالگزاری وصول کرنے کا حکم دیا۔ کوئی شخص مقدم ہو یا کاشت کار، تمام کو چار بیل، دو بھنسیں، دو گائے اور بارہ بکریوں یا بھڑوں کا رکھنے کا حق حاصل تھا، چرائی کی مقدار مقرر کی گئی اور آباد گھروں کا کرایہ معین کیا گیا۔ اگر کوئی محرر یا عامل بد دیانتی کرتا یا ان احکامت کو پامال کرنے کی کوشش کرتا تو اس کو سزا دی جاتی۔ اس سختی کا نتیجہ یہ نکلا کہ خائن و محرر ملازمت سے بیزار ہو کر نوکریوں کی تلاش میں نکلے اور مقدم اور شوہدری جو امیرانہ زندگی گزار رہے تھے بالکل محتاج ہو گئے۔[22] علاؤالدین کے آخری ایام مایوسیوں اور مشکلات سے بھرپور تھے۔ گجرات اور جیتپور کی بغاوتوں اور بری طرح سے ہار کی خبریں سن کر علاؤالدین اندر اندر بل کھاتا رہا جس سے اس کی صحت گرتی چلی گئی اور آخر کار ۶ شوال ۷۱۶ھ کی رات کو اس کی روح پرواز کر گئی۔ بعض لوگ بادشاہ کی موت کا سبب زہر خوانی کو بھی قرار دیتے ہیں۔[23]

21- مصدر سابق، ۱:۲۵۱۔۲۵۳۔

22- میرٹھی، مرجع سابق، ۳:۵۱۵۔

23- فرشتہ، مصدر سابق، ۱:۲۸۷۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ علاوالدین انتہائی بیدار مغز اور مستقل ارادوں کا مالک شخص تھا۔ اس کے زمانے میں سلطنت دہلی کے حدود دکن تک وسیع ہو گئے تھے، بڑے بڑے راجوں نے سر تسلیم خم کیا۔ اس کے دور میں دولت کی کوئی انتہاء نہ تھی، خانقاہیں آباد ہوئیں، مساجد کی رونقوں کو بحال کیا، مدارس میں درس و تدریس کا مشغلہ عام ہوا۔ جاسوسی کا انتظام انتہائی منظم تھا جس کی بدولت ملک کے تمام راستے اس قدر محفوظ ہو گئے کہ تمام قافلے آزادی کے ساتھ رات کو سفر کرتے۔ راہزنی اور قزاقی بالکل مفقود ہو چکی تھی۔ چیزوں کے نرخ خود بادشاہ مقرر کرتا اور پورے ملک میں وہی لاگو ہوتا۔ منڈی کے حالات معلوم کرنے کے لیے تین افراد کی کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جو الگ الگ بازاروں کے مال اور منڈی کے نرخ سے روزانہ بادشاہ کو مطلع فرماتے۔ پورا بازار ایک مشین کی مانند چل رہا تھا۔ اس کے دور میں دیہاتی انقلاب آیا اور کسانوں کو اونچی ذات کے طبقوں کے تسلط اور ان کے ظلم سے آزاد کروایا گیا۔ گاہے بگاہے کامیابیوں کی وجہ سے اس کے دل و دماغ میں کچھ خرافات نے بھی جنم لیا جن میں سے ایک نبوت کا اعلان اور نئی شریعت کا قیام تھا تاکہ اس کا نام قیامت تک باقی رہے اور اپنے مصاحبوں سے اکثر اس کا ذکر کیا کرتا تھا۔

لیکن تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے: کوتوال دہلی علاوالدین عرف علاء الملک نے جرات سے کام لیتے ہوئے اس کا مذہب سے متعلق نظریہ درست کیا اور واضح کیا کہ نبوت کا سلسلہ نبی اکرم پر ختم ہو چکا لہذا آپ کے نئے مذہب کے جاری کرنے پر مسلمان آپ کے خلاف ہو جائیں گے اور ملک میں نئے فتنے اور فساد کا دروازہ نکل آئے گا۔ علاء الملک کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے وہ اپنے اس ارادے سے باز رہا۔[24]

خاندان تغلق

لفظ تغلق ترکی لفظ قتلغ سے نکلا ہے بلکہ یہ کہہ دینا زیادہ مناسب ہو گا کہ ہندوستانیوں نے کثرت استعمال سے قتلغ لفظ کو توڑ کر تغلق بنا دیا اور بعض لوگ اس لفظ کا تلفظ "قتلو" ادا کرتے ہیں۔ خاندان تغلق کے بارے میں تاریخ کی کسی کتاب میں تفصیل سے نہیں لکھا گیا لیکن حسب و نسب کے لحاظ سے کچھ معلومات حاصل ہیں۔ ملک غیاث الدین بلبن ترکی غلام تھا اور غیاث الدین تغلق اس کا بیٹا تھا اس نے جٹ خاندان سے رشتہ ازدواج قائم کیا جو غیاث الدین کی ماں تھی۔[25] مؤرخین کے درمیان سلطان تغلق کے متعلق کافی اختلاف ہے ایک رائے میں تغلق ترکوں کے قراؤنہ قبیلے سے تھا جو ترکستان اور سندھ کے درمیان پہاڑی علاقہ میں آباد تھے، دوسری رائے میں یہ مخلوط نسل کے لوگ قرار دیے

24- برنی، مرجع سابق، ۴۸۷۔

25- فرشتہ، مصدر سابق، ۱: ۲۹۳۔

جاتے ہیں جن کے باپ تاتاری اور مائیں ہندوستانی تھیں، تیسرا خیال یہ ہے کہ لفظ قراونہ کا تعلق سنسکرت کرن سے ہے جس کا معنی مخلوط النسل ہے اور جو اس شخص کیلیے استعمال کیا جاتا ہے جس کا باپ کھشتری لیکن ماں شودر ہو۔[26] ایک رائے یہ بھی ہے کہ تغلق بطور لقب استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ آغا مہدی حسین لکھتے ہیں:

> “It is still regarded as the cognomen and is commonly attributed to all the monarchs of the Tugluq dynasty, although none except the first two rulers. Gheyyas us din Sultan Muhammad really used it along with their deenTaghluq and names of all the names borne by the successors of Sultan Muhammad there is none with the suffix Tughluq. [27]”

تغلق ایک لقب کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور تغلق سلطنت کے تمام بادشاہوں کو اس سے نسبت ہے جن کو تغلق خاندان کے پہلے دو بادشاہوں غیاث الدین اور سلطان محمد تغلق نے اپنے نام کے ساتھ استعمال کیا لیکن سلطان محمد تغلق کے کسی جانشین نے اسے اپنے ساتھ شامل نہ کیا۔ غیاث الدین جو کہ اس خاندان کا پہلا بادشاہ ہے ابتداء میں ایک تاجر کے گھوڑے چرایا کرتا تھا اور رفتہ رفتہ جنگی سواروں میں شامل ہو گیا جلد ہی جرات و شجاعت اور محنت سے خاص پوزیشن حاصل کرلی۔ ۱۳۰۵ء میں سلطان علاؤالدین نے اسے دیپالپور کے اہم سرحدی صوبے کا محافظسرحد متعین کیا۔

اے۔ ایل۔ سری واستوا لکھتے ہیں:

> He seems to have begun his life as an ordinary trooper, but he rose to a position of importance by dint of his ability and hard labor. By 1305, he was appointed Governor of the Punjab with his headquarters at dipalpur. He was entrusted with the duty of the protection of the North western frontier.[28]

تغلق خاندان کے محمد بن سلطان تغلق کے دور حکومت پر مفصل بحث ہو گی جس میں اس کے دور حکومت کی پالیسیوں اور حالات پر گفتگو کریں گے۔

26- محمد عبداللہ ملک، **جامع تاریخ ہند**، ۶۵۳۔

27- Agha Mahdi Hussain, The rise and fall of M. Bin Tughluq, Burleigh press, Bristol, London, 1938, P: 45.

28- A. L Srivastava, The sultanate of Delhi, educational publishers, Agra,1950, P,182.

سلطان محمد تغلق

سلطان محمد شاہ، سلطان غیاث الدین کا بڑا بیٹا تھا اس کا اصل نام فخر الدین جونا خان تھا جب غیاث الدین نے وفات پائی تو محمد شاہ تغلق نے تین دن تک صف ماتم بچھائی۔ ۱۳۲۵ء میں تخت سلطنت سنبھالا اور اس کے چالیس دن بعد تغلق آباد سے دہلی آیا۔ اس کی آمد کے موقع پر لوگوں نے شہر کو خوب سجایا ہوا تھا۔ جب تمام صوبوں پر اس کا قبضہ مستحکم ہو گیا تو اس نے اپنے تمام امراء و ملوک اور ارکان سلطنت کو جو اس سے متفق اور موافق تھے ان کے مرتبے اور مقام کے مطابق خطابات و القابات عطا کیے۔[29]

آغا مہدی حسین کے مطابق محمد تغلق خاندان تغلق کے عظیم حکمرانوں میں سب سے بلند حیثیت کا مالک تھا کیوں کہ اس کے زیر اقتدار تغلق سلطنت بام عروج کو پہنچی۔

> “The three great rulers of the Taghluq dynasty the most important is Sultan Muhammad bin Taghluq, for under him The Tughluq Empire reached its greatest extent.[30]”

محمد تغلق شیریں بیاں اور فصیح مقرر تھا، عربی اور فارسی میں ایسے مراسلات تحریر کرتا کہ بڑے بڑے ماہرین فن حیرت میں مبتلا ہو جاتے۔ ذہانت و فراست ایسی کہ کسی کو دیکھتے ہی تمام محاسن و مصائب سے اس طرح آگاہ ہوتا جیسے کہ برسوں کے تجربے کا نتیجہ ہو۔ علم تاریخ میں ایسی مہارت کہ کسی مؤرخ کا اس کے سامنے گفتگو کرنا انتہائی مشکل تھا ۔ حافظہ اس بلا کا تھا کہ ایک بار کچھ دیکھ لیتا یا سن لیتا وہ نقش ہو جاتا۔ حکمت، نجوم، ریاضی و منطق میں تبحر کی یہ کیفیت تھی کہ دقیق ترین مسائل علمیہ معمولی بات کے ساتھ حل کر دیتا۔ مذہب کا احترام کرتا، شراب نوشی سے دور رہتا ، عبادات میں فرائض کے علاوہ نوافل اور مستحبات کا خصوصی اہتمام کرتا، قدیم سلاطین و امراء کی طرح امور لہو و لعب سے دور رہتا۔ سخاوت اس قدر تھی کہ اگر کوئی درویش آتا تو خزانے کے انبار لگا دیتا، غریب، فقیر یا کسی بیوہ کی صدا پہنچتی تو مالا مال کر دیتا۔[31]

اس دور میں شراب کا رواج نہیں تھا کیوں کہ بادشاہ کو اس سے نفرت تھی اور یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص ایک قطرہ شراب کا اپنے مکان میں رکھ لے جب کہ اس کے برعکس پان کا رواج عام تھا اور اس کی ممانعت بھی نہ تھی۔ محمد

29- برنی، مرجع سابق، ۴۲۸۔

30- Hussain, The rise and fall of M. Bin Tughluq, P: 53.

31- محمد ذکاء اللہ دہلوی، مرجع سابق، ۱: ۱۰۹۔

تغلق انہی صفات کی بناء پر ایک بے مثل حکمران تھا۔ عزم واستقلال، سطوت وجبروت، بذل وکرم، زہد وتقوی، شجاعت وبسالت اس میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ خود امور کا انتظام کرتا تھا، قوانین نافذ کرتا تھا اور انصاف کے معاملے میں خود کو بھی اس سے مستثنیٰ نہ سمجھتا۔ مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں: ایک بار کسی ہندو امیر نے قاضی کے ہاں نالش کی کہ سلطان نے اس کے بھائی کو بے سبب قتل کر ڈالا ہے۔ قاضی نے سلطان کو طلب کر لیا۔ چنانچہ یہ حاضر ہو گیا اور قاضی کو سلام کر کے کھڑا ہو گیا، جب قاضی نے بیٹھنے کی اجازت دی تو بیٹھا اور اس وقت تک عدالت سے باہر نہ گیا جب تک مدعی راضی نہ ہو گیا۔[32] خبر رسانی کا انتظام اس دور میں شاندار تھا اس کے علاوہ جاسوسوں کی ڈاک کی آمد ورونگی کے لیے ہر کارے بھی مقرر تھے، شاہی جاسوس حالات معلوم کرتے تھے اور خبریں افسران کے ذریعے بادشاہ تک پہنچاتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد تغلق ایک دیندار شخص تھا لیکن اس کے باوجود اس کے دور میں ہندوں کے ساتھ اس کا طرز عمل مثالی تھا اور اس وقت کے ہندو مسلم تعلقات کی ایک اساس نمک حلالی تھی۔ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے معاملہ میں اس نے وسیع النظری کا ثبوت دیا۔ نگر کوٹ کی مہم کے دوران مندروں کے انہدام سے خاص طور پر گریز کیا۔ سیرت فیروز شاہ میں درج ہے: (**سلطان مغفور مرحوم محمد شاہ انار اللہ برھانہ نگر کوٹ سایہ افگندہ بود بالتناس راءے نگی کوٹ بت خانہ جوالامکھی دا**[33]) سلطان مغفور مرحوم محمد شاہ انار اللہ برہانہ جب نگر کوٹ پر سایہ فگن ہوئے تھے تو انہوں نے رائے نگر کوٹ کی التماس پر جوالامکھی کے مندر کو چھوڑ دیا تھا۔

اس معاشرے میں انصاف لاگو کیا ہوا تھا جو کہ نظر آتا تھا لیکن پورا معاشرہ شاہ خرچ ہو چکا تھا۔ وہی لوگ جن پر بادشاہ وقت کی طرف سے پیسے کی بھرمار کی گئی بعد میں انہی نے بغاوت کا علم اٹھایا لیکن تب تک خزانہ خالی ہو چکا تھا جو کہ بعد میں بادشاہ کے ظلم وزیادتی کا ایک سبب بنا اور لوگوں پر غضبناک ہونا شروع ہوا۔ اس دور میں ہندو اور مسلمانون کے درمیاں رواداری کا پہلو نمایاں پایا جاتا تھا کیوں کہ اس دور میں ہندو بھی نمایاں عہدون پر براجمان تھے۔ سلطان محمد تغلق کی کچھ حماقتوں کی وجہ سے ملک تباہ ہو گیا اور رعایا دربدر پھرتی رہی، حکومت کی ساکھ بالکل ختم ہو گئی۔ اپنی تدابیر میں ناکامی کی بناء پر ایک مطلق العنان بادشاہت کی مانند غضب ناک ہو جاتا اور بات بات پر قتل کروا دینا اس دربار کا معمولی سا منظر ہو گیا۔ اگر قصر شاہی کے ایک دروازے پر انعام کی بارش ہوتی تو دوسرے پر کسی لاش کو پھڑکتے بھی دیکھا جا سکتا تھا جس کی وجہ سے رعایا متاثر ہو رہی تھی کیوں کہ محمد تغلق کی برہمی اور ظلم وستم میں شدت آتی جا رہی تھی۔

---

[32] مرجع سابق، ۱: ۳۰۴۔

[33] برنی، مرجع سابق۔

سلطان محمد تغلق کی حکومت ۲۶ سال تک رہی اور اس میں شک نہیں کہ قوانین بنانے کے اعتبار سے یا سلطنت کے نظم و نسق اور کثرت فتوحات کی وجہ سے یہ زمانہ تاریخ ہند کا یادگار زمانہ ہے جس سال وہ مرنے والا تھا اس سال سندھ میں بغاوت ہوئی۔ سلطان محمد تغلق نے دریائے سندھ عبور کیا اور لشکر کے ساتھ ٹھٹہ کی طرف روانہ ہوا۔ ۱۳۵۰ء میں ٹھٹہ سے صرف تیس کوس دور تھا کہ روزہ افطار کرنے کے بعد مچھلی کھائی، طبیعت پہلے بہتر نہ تھی تو اسی وجہ سے مزید خراب ہو گئی اور مجبوراً حملہ ملتوی کرنا پڑا۔ ایک ہفتے تک سلطان اسی طرح رہا۔ ۲۱ محرم کو دریائے سندھ کے ساحل پر اس کا انتقال ہو گیا اور خاندان تغلق کے اس جلیل القدر بادشاہ کا عہد حکومت ختم ہو گیا۔[34]

مغلیہ دور حکومت اور معاشرتی حالات

مغلیہ دور عملاً چنگیز خان کے عہد سے شروع ہے کیوں کہ تیمور اسی نسل سے تھا جو ۷۳۶ھ میں پیدا ہوا۔ کش کی گورنری پر مامور ہوا اور بعد میں چغتائیہ خان کا وزیر ہو گیا۔ اس کی حکومت پر ۱۳۶۹ء میں قابض ہوا اور اس کے لڑکے محمود کو برائے نام بادشاہ رہنے دیا۔ تیمور عرصے تک ایران میں برسر پیکار رہا، سات سال میں خراسان، سجستان، افغانستان، فارس، آذربائیجان اور کردستان فتح کیے۔ بغداد فتح کرنے کے بعد جزائر پر قبضہ کیا اور دوسرے سال کشمیر سے دہلی پر یورش کی۔ ۱۴۰۱ء میں ترکوں سے مقابلہ کیا اور ممالک عثمانیہ زیر و زبر ہوئے۔ مصر، حلب، دمشق قلمروئے تیموری میں داخل ہو گئے۔ تسخیر چین کے لیے جا رہا تھا کہ راہ میں ۱۴۰۵ میں زندگی نے وفا نہ کی اور سمندر قند میں دفن ہوا۔[35] اس بحث میں صرف ان مغل سلاطین کا ذکر ہو گا جنہیں مغلیہ خاندان میں عروج ملا، جن میں ظہیر الدین بابر، جلال الدین اکبر اور اورنگ زیب عالمگیر شامل ہیں۔

ظہیر الدین محمد بابر

عمر شیخ مرزا ایک عادل اور منصف حکمران تھا جب وہ یہاں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کر رہا تھا تو اس کی بیوی قتلق نگار خانم کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا۔ اس بلند اقبال بیٹے کا نام بابر مرزا رکھا۔ محمد بابر کا باپ چھت سے گرا اور جاں بحق ہو گیا اور بابر نے ۱۲ سال کی عمر میں اندخان کی حکومت کی بھاگ دوڑ سنبھال لی اور اراکین کے صلاح و مشورے

34- سجاد میرٹھی، مرجع سابق، ۳: ۵۵۴۔

35- مرجع سابق، ۳: ۶۴۲۔

سے باپ کا ولی عہد بن گیا۔ [36] بابر اس بلا کا اولو العزم اور بہادر تھا کہ خوف و ہراس پاس نہ پھٹکتا تھا۔ ارادوں میں مستقل اور ناکامی میں ہمت نہ ہارنے والا تھا۔ فتح کی نسبت اللہ کی طرف کرتا کہ یہ میری بہادری یا لیاقت سے نہیں بلکہ اللہ کی مہربانی سے حاصل ہوئی ہے۔ یہی کلمات اس خدا پرست اور جواں مرد بادشاہ نے پانی پت کی مشہور لڑائی فتح کر کے اپنی زبان سے کہے۔ ظہیر الدین بابر کے لقب سے شہرت حاصل کی [37] اور سیاسی اعتبار سے سلاطین دہلی کی طرح مغل بادشاہوں نے بھی اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ راجپوت جاگیری عناصر کو مسخر کرنے کے ساتھ بعض مندروں کو بھی گرا دیا بالخصوص ایسی حالت میں جب سامنتوں نے اطاعت تسلیم کرنے کی بجائے شہنشاہ دہلی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہو۔ [38] سمرقند کو فتح کرنے کی تمنا بابر کو شروع سے تھی اسی لیے رشتہ داروں سے امداد لینے کے بعد ایک چھوٹی سی فوج تشکیل دی اور اپنی سلطنت کا ایک حصہ بحال کر لیا۔ دراصل سمرقند محلات اور باغات کا عالیشان شہر تھا اور اس کا قدیم وطن بھی تھا۔

بابر اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

> ”سمرقند ایک سو چالیس سال سے میرے خاندان کا دارالخلافہ رہا ہے ایک اجنبی قزاق نے ہمارے شاہی عصا پر دست تصرف کر لیا جو ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ گیا اور خدا نے آج مجھے لٹا ہوا شہر واپس دلا دیا۔“ [39]

بابر نہ صرف بہادر اور جنگجو باشاہ تھا بلکہ اصولوں کا محکم انسان تھا جب اس نے سمرقند پر حملہ کیا تو وہاں کے سوداگروں کو محاصرے کی وجہ سے کاروبار میں نقصان ہونے لگا تو انہوں نے شہر سے باہر آ کر لشکر میں اجناس کا تبادلہ کیا جس کی وجہ سے لشکر والوں کو ہر چیز میسر ہوئی اور سوداگروں کو فائدہ ہونے لگا۔ ایک دن لشکر کے لوگوں پر حرص اور طمع غالب آ گیا اور تاجروں کا مال لوٹ لیا۔ تاجروں کی شکایت پر بابر نے لوٹا ہوا تمام مال سوداگروں کو واپس کر دیا۔ بابر کے اس سلوک سے وہ تاجر بہت خوش ہوئے۔ [40] بابر تمام مغل بادشاہوں میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے کیوں کہ وہ سلطنت مغلیہ کا بانی تھا، کئی اعلیٰ اوصاف کا مالک تھا۔ بیک وقت صاحب سیف و صاحب قلم تھا اور اس کی کتاب **”تزک بابری“** ایک شاندار علمی شاہ کار ہے اس میں لفاظی کی بجائے مشاہداتی بیانات ہیں۔ قرآن کے کئی نسخہ جات لکھ کر مکہ

36- فرشتہ، مصدر سابق، ۱: ۴۱۴۔

37- شیخ محمد اقبال، مرجع سابق، ۱۰۹۔

38- ڈاکٹر مبارک علی، **تاریخ اور مؤرخ** (لاہور: فکشن ہاؤس مزنگ روڈ)، ۸۰۔

39- ظہیر الدین بابر، **تزک بابری** (دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۱۰ء)، ۱۷۔

40- اسلم راہی، **ظہیر الدین بابر** (کراچی: شیخ بک ایجنسی)، ۱۔

بھجوائے۔[41] ہند کی آب و ہوا اس کو موافق نہ آئی، اکثر بخار کی شکایت رہتی اور اس کی صحت جاتی رہی، قریب المرگ شہنشاہ نے ہمایوں کو اپنا جانشین نامزد کیا اور اڑتالیس سال کی عمر میں دسمبر ۱۵۳۰ء میں آگرہ میں جاں بحق ہو گیا۔ بابر کی خواہش کے مطابق اس کی نعش کابل لے گئے اور باغ نور افشاں میں دفن کیا جس سے اس کو بہت انس تھا۔[42]

بابری دور کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس کے دور میں رواداری کے اصول کو فروغ دیا گیا اور مذہبی اختلافات کی بنیاد پر کسی کو قتل نہیں کرایا۔ اس نے جنگوں میں کامیابی کے باوجود رحم دلی کا برتاو کیا۔ ہندوں اور مسلمانوں کے درمیان معاشرتی، سماجی اور تہذیبی تعلقات اس قدر مضبوط تھے بلکہ بڑھ چکے تھے کہ جب بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اسے ہندوں اور مسلمانوں کی مشترکہ فوج سے نبرد آزما ہونا پڑا لیکن بابر نے بھی یہاں آکر معاشرتی استحکام اور مختلف مذاہب کے لوگوں کے درمیان امن اور محبت کے پہلو کو ہی فروغ دیا ہے اس بات کا اندازہ اس وصیت سے لگایا جاسکتا ہے جو اس نے اپنے بیٹے کو کی تھی۔ اس کے چند مندرجات ذیل میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

ا۔ مذہبی تعصب کو اپنے دل میں بالکل جگہ نہ دینا۔

۲۔ گاو کشی سے بالکل پرہیز کرنا تاکہ لوگوں کے دلوں میں جگہ مل جائے۔

۳۔ کسی قوم کی عبادت گاہ مت گرانا۔

۴۔ ہمیشہ انصاف کرنا کیوں کہ اسلام کی اشاعت ظلم و ستم کے مقابلے میں لطف و احسان کی تلوار سے بہتر ہو سکے گی۔

۵۔ سنی شیعہ اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کرنا کیوں کہ اس سے اسلام کے کمزور ہونے کا خدشہ ہے۔[43]

اس تمام گفتگو سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بابر کے دور میں بھی مسلم ہندو تعلقات بہتر رہے ہیں اور اس معاشرے میں مذہب یا رنگ و نسل کی بنیاد پر قتل و غارت یا بے انصافی کے معاملات نظر نہیں آتے۔ کرنل میلن ہندوستان کے عام حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے بابر کے طرز حکومت کے بارے میں لکھتا ہے کہ بابر تو ایک ایسے طرز حکومت کا عادی تھا جو ہندوستان کے طریقہ سلطنت سے کہیں بڑھ کر زبردست تھا۔ اس کے دور میں صوبوں کے

41- خلیق احمد نظامی، **سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات** (لاہور: نگارشات، س ن)، ۷۹۔

42- میرٹھی، مرجع سابق، ۱:۶۵۹۔۶۶۰۔

43- سید صباح الدین عبد الرحمن، **بابر اور اس کا ہندوستان** (لاہور: پرنٹ لائن پبلیشرز، س ن)، ۳۴۴۔

حاکموں اور ضلعوں کے سردار اپنے علاقے میں پوری حکومت رکھتے تھے لیکن بادشاہ کا اختیار تھا کہ جب چاہے ان کو معزول کر دے۔ لہذا اس بات کا خیال رہتا تھا کہ ایسا انتظام رکھیں کہ جس سے انصاف پورا پورا ہو یا شاہی دربار میں کارندے رکھیں جو ان کی بہتری کے نگران رہیں۔[44] لیکن اس کی فوجی مہمات کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا مقصد غیر مسلموں کو نیچا دکھانا نہیں بلکہ اپنے اقتدار کو مستحکم کرنا تھا اس کے لیے چاہے (مسلمان لودھی) حکمران ہی راستے میں کیوں نہ ہوں، ان سے نبرد آزما ہوا کرتا۔

جلال الدین محمد اکبر

برصغیر پاک وہند میں جلال الدین محمد اکبر کا انچاس سالہ عہد حکومت مغلیہ دور کا ایک نہایت زرین اور تاریخی دور ہے وہ برصغیر کے ممتاز تاجداروں میں سے اور مغلیہ دور کا عظیم ترین حکمران تھا۔ اگرچہ وہ کتابی علوم سے نابلد تھا لیکن اس کی فہم وفراست ودوراندیشی اور انتظامی قابلیت قابل ستائش تھی۔ اس کے دور حکومت میں علوم وفنون کو خوب ترقی ہوئی۔ اس کی گراں قدر اصلاحات، حیران کن فتوحات اور شہرہ آفاق سلطنت نے مغلیہ سلطنت کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل نظر آئی جس کے امور سلطنت میں ہم آہنگی اور امن وامان کی فضا قائم ہوئی بلکہ وہ ایسی بصیرت سے کام لیتا تھا کہ ہندوؤں اور راجپوتوں کو قرابت کے رشتوں میں استوار کرکے اپنا اطاعت گزار بنا لیتا تھا۔

اکبر کے اخلاق اور اچھے رویے کی وجہ سے ہندو قوم اس قدر طرف دار ہوگئی کہ کئی راجوں نے اپنی بیٹیوں کی شادی اکبر سے کر دی۔ دختر راجہ بہارامل والئی جے پور اور راجہ بھگوان داس کی بہن، دختر کلی ان مل والئی بیکانر، دختر راجہ ڈونگرپور، ان سب ہندو رانیوں سے اکبر نے شادی کی۔ راجہ بہارامل کی بیٹی سے شہزادہ سلیم (جہانگیر) پیدا ہوا۔ اس بیوی کو اکبر نے مریم زمانی کا خطاب دیا۔[45] اس نے جو چند ہندو معاشرتی رسومات اپنائی تھیں تو وہ صاف صاف ہندو رانیوں کے ساتھ مراعات کا مظہر تھیں۔ جیسا کہ راکھی (کلائی پر دھاگہ پہننا)، دیپاولی (دیوالی کے چراغاں کا تہوار)، وہ کبھی کبھار ہندوں کا مقدس جنیو (زنار) بھی پہن لیتا تھا جس نے بدایونی) جیسے کٹر مسلمان برانگیختہ ہو جاتے تھے حالانکہ صوفیانہ شاعری میں صدیوں تک اسے شبحہ کے برابر سمجھا گیا ہے۔[46]

44- کرنل میلن، **رولز آف انڈیا سیریز**، مترجم: لالو شودیال (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، س ن)، ۶۳۔

45- میرٹھی، مرجع سابق، ۳:۶۷۹۔

46- عبد القادر بدایونی، **منتخب التواریخ**، مترجم: محمود احمد فاروقی، (لاہور: شیخ غلام علی سنز اینڈ پبلیشرز، س ن)، ۲:۳۶۵۔

اکبر مغلیہ بادشاہوں میں سے تیسرا بادشاہ ہے اور اس کے عہد میں شمالی ہند اور دکن کے ایک حصے میں سلطنت مغلیہ کا تسلط قائم ہو گیا تھا۔ اکبر ۱۵۴۲ء میں سندھ کے ریگستان میں امر کوٹ کے مقام پر اس وقت پیدا ہوا جب اس کا باپ ہمایوں، شیر شاہ کے ہاتھ سے بھاگتا پھرتا تھا۔[47] اکبر ۱۵۵۶ء میں جب تخت نشین ہوا تو ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ با قاعدہ اور مستحکم حکومت تو کسی خاندان کو نصف صدی سے زیادہ نصیب نہ ہوئی۔ اس دور میں دس پندرہ سال ایک خاندان کو پاؤں جمانے میں لگتے، ابھی حالات سمجھنے کا موقع ہی ملتا تھا کہ سارا سلسلہ درہم برہم ہو جاتا۔[48] حالانکہ اکبر زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا لیکن سلطنت کو اٹھارہ صوبوں میں تقسیم کیا۔ کاشت کاروں کے معاملہ میں شیر شاہ سوری کی اصلاحات کو ترقی دی۔ مختلف علاقوں اور قلعوں کو فتح کیا اور متعلقہ رعایا کی آسودگی کا انتظام کیا۔ اکبر کو عمارتیں بنوانیں کا بہت شوق تھا۔ آگرہ کا قلعہ، دہلی میں ہمایوں کا مقبرہ، لاہور اور سری نگر کے کئی قلعے اس نے تعمیر کروائے۔[49]

اکبر کے دور میں مذہبی و معاشرتی حالات

سیاسی بصیرت کے تحت اکبر نے اپنے لڑکوں کی شادیاں ہندو راجاؤں کی لڑکیوں سے کیں اور اس کا مقصد یہ تھا کہ تفرقے ختم ہوں اور معاشرے میں یکجہتی اور اتحاد پیدا ہو اور ایسا کرنا کسی اور طریقے سے ممکن نہ تھا۔ سلطنت کے مفاد کی خاطر ہندو لڑکی سے شادی کرنا کوئی نئی بات نہ تھی کیوں کہ عربوں کے سندھ آنے پر ہی یہ روایت پڑ چکی تھی لیکن یہ نیا پن ضرور تھا کہ اکبر کے دور میں ہندو عورتوں کو اپنے مذہب پر قائم رہنے، اپنے تیوہار اور رسومات کو اندرون حرم داخل کرنے کی آزادی تھی اور ہمدردانہ طور پر افہام و تفہیم کے لیے بہت سے تجربات اس نے جذب کر لیے تھے۔ سید محمد لطیف شہنشاہ اکبر کے مذہبی خیالات کے بارے رقمطراز ہیں:

> اکبر کے مذہبی خیالات انتہائی کمزور تھے اس نے ایک نئے مذہب کو تشکیل دیا تھا۔ اس مذہب کی وضع قطع اور رسوم قدیم ایرانیوں سے اخذ کی گئیں۔ کرامات کا دعویٰ کرتا، لوگ اس کے پاؤں سے دھلے ہوئے پانی کو متبرک سمجھ کر استعمال کرتے، بیماری کے لیے پھونک مرواتے اور عوام نہ جانے کس قسم کی توہم پرستی میں مبتلا تھی۔ اکبر برہمنوں کے ہمراہ سورج کی پوجا کرتا، عیسائیوں کے ساتھ صلیب کے آگے اپنے آپ کو جھکا دیتا، یہودیوں کی تعلیمات کا احترام کرتا اور تحمل و برداشت سے راہبوں یا دانشوروں کے دلائل کو قبول یا رد کرتا۔[50]

---

[47] اقبال، مرجع سابق، ۱۰۹۔

[48] محمد اکرم، **رود کوثر** (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، س ن)، ۷۹۔

[49] ثروت صولت، **ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ** (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۰۴ء)، ۲:۲۸۱۔

[50] لطیف، نفس مرجع، ۳۰۱۔

اکبر نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد ایک فیصلہ یہ کیا کہ ہندو اور مسلمانوں کو باتمیز رتبے دیئے جائیں اور اس بات پر آخر تک ڈٹا رہا۔ پرانا دستور تھا کہ جو فوج فتح پاتی اسے اختیار ہوتا کہ مفتوح لوگوں کی عورتوں، بچوں اور متعلقین کو چاہیں تو غلام بنا کر رکھیں یا بیچ ڈالیں۔ لیکن اکبر نے یہ حکم موقوف رکھا اور ان کو اختیار دیا کہ چاہیں تو اپنے گھروں کو چلے جائیں، رشتہ داروں کی طرف روانہ ہو جائیں۔ کوئی امیر یا غریب غلام نہیں بنایا جائے گا۔ اس آزاد بادشاہ کی یہ سوچ تھی کہ اگر خاوند کا جرم ہو تو عورت کا کیا قصور؟ اور اگر باپ باغی ہو جائے تو اولاد کا کیا واسطہ؟[51] اسی طرح مغلیہ دور میں آمدنی کا ایک اہم حصہ ٹیکس سے آتا تھا لیکن ایک ہندو کی شکایت پر تیرتھ کرنے پر حاصل ہونے والا محصول ہندوؤں پر بند کر دیا گیا۔ اکبر کے خیال میں تیرتھ کرنا ہندوازم کا ایک تاکیدی حکم ہے اس لیے اس کی اطاعت میں ذرا بھی رکاوٹ ڈالنا جائز نہیں۔[52] اکبر کے ٹیکس معاف کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کی سلطنت وسیع تھی جس سے کافی آمدن حاصل ہوتی تھی، ہو سکتا ہے اس نے ہندو امراء کو خوش کرنے کے لیے یہ ٹیکس معاف کر دیا ہو۔[53] اس کے ساتھ ساتھ اکبر نے جزیہ بھی موقوف کر دیا، اس نے عوام کو مکمل مذہبی آزادی دی جس سے غیر مسلم رعایا بہت خوش ہوئی۔ جزیہ کی موقوفی اکبر کی آزادروی اور تمام شہریوں کے لیے قانونی مساوات کی حکمت عملی سے ہم آہنگ تھی لیکن اس کا بھی امکان ہے کہ اکبر کے اس فیصلے کو فتح اللہ شیرازی جیسے فقہاء کی تائید حاصل ہو جو تاریخ اسلام اور فقہ میں اس قسم کے نظائر سے باخبر ہوں جن میں غیر مسلموں کو جزیہ سے اس لیے مستثنی کیا گیا ہو کہ وہ اسلامی سلطنت میں عسکری اور معاشری خدمات انجام دے رہے ہوں۔[54]

اکبر کے سکھوں کے ساتھ بھی اچھے تعلقات تھے اس نے سکھ گرو امر داس کو ایک شخص جیٹھا کے ذریعے یہ مشورہ دیا کہ وہ ہر دور میں زیارت کے لیے جائے اور وعدہ کیا کہ اس کے ساتھیوں پر کسی قسم کا ٹیکس نہیں لگایا جائے گا بلکہ اکبر نے گرو جی سے دور خواست کی کہ چتوڑ کی مہم میں اس کے لیے دعا کرے۔ گرو امر داس کا جانشین، رام داس کی اکبر بڑی عزت کرتا تھا۔ اسے ایک جاگیر عطا کی جس کی حدود میں امر تسر کا مشہور تالاب تعمیر کروایا گیا جو اب سکھوں کا ایک متبرک مقام ہے۔[55] دور اکبری میں عبادت خانوں میں اسلامی فرقوں کے علاوہ عیسائی، پارسی، ہندو غرض کہ ہر مذہب

51- میلن، **رولز آف انڈیا سیریز**، ۱۴۰۔

52- مصدر سابق۔

53- عشرت بصری، **اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق** (ملتان: الماس سنز پبلیشرز، ۲۰۱۰)، ۲۷۰۔

54- عزیز احمد، **برصغیر میں اسلامی کلچر**، مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، س ن)، ۱۸۔

55- مبارک علی، **جہانگیر کا ہندوستان** (لاہور: سانجھ ٹیمپل روڈ، ۲۰۰۸ء)، ۲۲۔

کے علما کو شرکت کی دعوت دی جاتی اور ہر ایک کے عقائد و شعاءر سیکھنے کی کوشش کی گئی۔ یہ بجائے خود قابل اعتراض بات نہ تھی لیکن اس کا اعلان ایسے اعمال سے ہوا جو مسلمانوں کے ظاہری اعمال کے سراسر خلاف تھا۔[56] اکبر کے دور میں موسیقی کے فن کو کافی ترقی ملی اور اس میں سب سے زیادہ حصہ تان سین نے لیا تھا، وہ درباری گویا تھا۔ ہندوں اور مسلمانوں نے اس کے کمال فن کا یوں اعتراف کیا ہے کہ دونوں ہی اسے اپناتے ہیں۔ یوں تان سین کا معاملہ بھگت کبیر اور گرونانک جیسا ہو گیا۔ ویسے زیادہ مشہور یہ ہے کہ تان سین گوالیار کے ایک ہندو گھرانے میں محمد غوث گوالیاری کی دعا سے پیدا ہوا تھا اور اس کی پرورش اسی درویش کی خانقاہ میں ہوئی تھی۔[57]

اسی طرح مغلوں کے دور میں بہت سے ہندوں نے فارسی میں کتابیں تصنیف کیں, کیوں کہ فارسی سرکاری زبان تھی اس کے ساتھ ہی مسلمانوں نے سنسکرت کتابوں کے فارسی میں تراجم کیے اور ہندی میں کتابیں تصنیف کین۔ ملک محمد جالسی نے پدماوت تصنیف کی اور عبد الرحیم خانخاناں جو اکبر کے دربار کا ایک ممتاز امیر اور اس کے اتالیق کا بیٹا تھا، ہندی کے مشہور شاعروں میں گزرا ہے۔ خانخاناں عربی، فارسی اور سنسکرت کا عالم تھا اور ہندی میں بہت اعلیٰ درجے کا شعر کہتا تھا۔[58]

ابو الفضل[59] نے اکبر کو امام کا درجہ دے دیا حالانکہ سنیوں کے ہاں امام اور اہل تشیعہ کے ہاں امام کا میعار، مقاصد اور مقام مختلف ہے لیکن شیخ مبارک جو کہ اسماعیلی تھا اس نے اس کو امام اکبر، امام زماں اور امام عادل بنانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔ جب اکبر کے حکم سے بدایونی نے مہابھارت کا فارسی میں ترجمہ کیا تو ابو الفضل نے اس پر ۳۶ صفحات کا مقدمہ لکھا جو بقول بدایوانی الکفریات والحشویات کا مجموعہ تھا۔ ابو الفضل نے مہابھارت کے مقدمہ میں اکبر کو ''خلیفۃ اللہ'' بھی لکھا ہے۔ ابو الفضل کی اس تحریر سے بدایونی کے اس بیان کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ اکبر کے خوشامدی درج ذیل کلمہ پڑھا کرتے تھے۔ لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ۔[60]

-56 سید ہاشمی فرید آبادی، **تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت (محمد ابن قاسم سے اورنگ زیب عالم گیر تک)** (لاہور: ادارہ معارف اسلامی منشورہ، س ن)، ۴۷۳۔

-57 قاضی جاوید، **ہندی مسلم تہذیب** (لاہور: نگارشات، ۱۹۹۵ء)، ۵۱۔

-58 سید صباح الدین عبد الرحمن، **مقالات سلیمان: سید سلیمان کے تاریخی مضامین کا مجموعہ** (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۹ء)، ۱۵:۱۔

-59 اکبر کے مشہوزمانہ نورتن میں سے ایک تھا۔

-60 پروفیسر محمد اسلم، **دین الٰہی اور اس کا پس منظر** (لاہور: ندوۃ المصنفین، ۱۹۷۰ء)، ۱۱۰۔

اب نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے ہزار سال پورا کرنے کی کوشش کی گئی جو کہ ابھی مکمل نہ ہوئے تھے اور کہا گیا کہ اب نئے دین کا آغاز ہونا چاہیے۔ اس دین کو دین الٰہی کی نئی اصطلاح سے متعارف کروایا گیا جس میں نئی نئی خرافات کو شامل کیا گیا جیسا کہ بادشاہوں کو سجدہ کرنا، بیماری کے لیے شراب کو لازم قرار دینا اور اس کے بیچنے کا انتظام کرنا یہاں تک کہ بادشاہ نے خود ہی شراب کے نرخ مقرر کیے۔ علاقہ سے باہر طوائفیں اور فواحشہ عورتوں کی بستی جس کا نام **"شیطان پور"** تھا بنائی گئی۔ اور زنا کی مکمل اجازت دی گئی۔ یہ ایسی برائیاں تھیں جس نے پورے معاشرے میں لڑائی، فساد اور خون ریزی برپا کر رکھی تھی۔ احکام اسلام کی مخالفت میں سور اور کتے کو پاک قرار دے دیا گیا۔ نئے دین کی شریعت میں ناپاکی کے غسل کی فرضیت کو بالکل ختم کر دیا گیا۔ عربی زبان پڑھنا عیب قرار دیا گیا، حدیث اور تفسیر پڑھنے والے مطعون کیے جانے لگے۔ [61] نئے دین کی ایجاد دراصل شیخ مبارک اور اس کے دونوں بیٹوں (فیضی اور ابو الفضل) کی تحریک تھی۔ جہانگیر نے لکھا ہے کہ ابو الفضل کے خاتمے کے ساتھ اکبر کی بد اعتقادی کا خاتمہ ہو گیا اور وہ ایک پاکباز مسلمان کی طرح خدا کے پاس گیا۔ اکبر کا تذکرہ کرتے ہوئے جہانگیر لکھتا ہے:

> میرے والد بزرگوار اکثر ہر دین و مذہب کے علما، خاص کر پنڈتوں اور ہندو مذہبی پیشواؤں کے ساتھ محبت کرتے تھے۔ [62] بہر حال اکبر کی وفات پر ۱۶۰۵ء میں لوگوں کے تاثرات ایسے تھے کہ پورا شہر خوف و ہراس میں مبتلا تھا اور ہر فرد نے گھبراہٹ سے گھر کے دروازے بند کر لیے، دولت کو چھپانا شروع کر دیا، گھروں میں ہتھیار جمع کرنا شروع کر دیئے۔ یہ افراتفری تب ختم ہوئی جب دس دن بعد آگرہ سے ایک خط آیا کہ دارالحکومت میں سب خیریت ہے تو صورتحال معمول پر آگئی۔ [63]

اکبر کے دور حکومت میں رواداری، انصاف اور بین المذاہب ہم آہنگی اپنے عروج پر نظر آتی ہے اور طرز حکمرانی میں وسعت دینے کے لیے اس نے تمام مذاہب کے لوگوں میں یا تو خود شادیاں رچائی ہوئی تھیں یا اپنے بیٹوں کی شادیاں ہندوؤں میں کی ہوئی تھیں۔ حالانکہ پڑھا لکھا ہوا نہ تھا لیکن سلطنت کا انتظام بڑے وسیع پیمانے پر کیا ہوا تھا۔ اکبر نے کئی ایسے کام ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے کیئے جن میں جزیے کا موقوف ہونا بھی شامل تھا۔ لوگوں کو مکمل مذہبی آزادی دی جس کی بدولت غیر مسلم رعایا بڑی خوش ہوئی۔ کئی ہندوانا رسومات میں اصلاحات کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا جیسے کہ ستی کرنے کی رسم کے خاتمے میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ دور اکبری میں عبادت خانوں میں اسلامی فرقوں

61- بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۴۹۴-۵۰۰۔

62- نور الدین جہانگیر، **تزک جہانگیر**، مترجم: مولوی احمد علی رائے پوری (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ۵۳۔

63- مبارک علی، **عہد وسطیٰ کا ہندوستان** (لاہور: سانجھ، ۲۰۰۸ء)، ۷۸۔

کے علاوہ ہر مذہب کے علما کو شرکت کی دعوت دی جاتی، تمام کے عقائد و شعار سیکھنے کی کوشش ہوتی اور ان تمام افعال کا مقصد حاکم و محکوم کے درمیان اچھے تعلقات قائم کرنا اور ایسا طرز زندگی قائم کرنا تھا کہ جس قوم کے لوگوں سے ملاقات ہو تو اپنائیت کا پہلو پیدا ہو جائے۔ بہر حال اکبر کے دور کے کئی ایسے پہلو ہیں جو کہ غیر شرعی بھی تھے لیکن بحیثیت حکمران اس نے ہر ایسے دروازے کو بند کرنے کی کوشش کی جہاں سے بغاوت پیدا ہونے کا خدشہ تھا۔ ہندوؤں کے جزیے معاف کیے، ان کو اچھے عہدوں پر تفویض کیا، مندروں کی تعمیر کی مکمل آزادی تھی۔ لیکن اکبر کے دور کو اسلامی یا مسلم ریاست کا نام نہیں دیا جا سکتا کیوں کہ اس نے دین الٰہی کے نام پر کئی عجیب و غریب خرافات کو جنم دیا اور اپنے دربار میں تمام مذاہب کی تعلیمات کو یکجا کر کے عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا۔ متحدہ ہندوستان کا پرانا خواب اکبر کے دور میں پورا ہوا اور ہندوستان صرف سیاسی طور پر ایک متحد ریاست ہی نہیں بلکہ تہذیب کے لحاظ سے بھی ایک متحد قوم نظر آتا ہے۔

جہانگیر عہد حکومت اور معاشرتی حالات

جہانگیر ۱۵۶۹ء میں پیدا ہوا اور اس کا نام سلیم رکھا گیا کیوں کہ اکبر بادشاہ کی اولاد پیدا ہوتی تو مر جاتی، اس لیے وہ شیخ محمد چشتی[64] کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا۔ شیخ سلیم فتح پور سیکری میں رہتے تھے۔ اکبر نے سلیم کی پیدائش کے بعد اس جگہ کا نام فتح پور رکھ کر اس کو دار الحکومت قرار دیا اور یہاں کئی شاہانہ عمارتیں تعمیر کروائیں۔[65] اکبر کے دونوں بیٹے مراد اور دانیال چونکہ عالم جوانی میں ہی وفات پا گئے تھے تو اکبر کی وصیت کے مطابق شہزادہ سلیم تخت نشین ہوا اور اس نے اپنے لیے جہانگیر کا لقب اختیار کیا۔[66] ۱۵۸۵ء میں راجہ بھگوانداس کی بیٹی سے جہانگیر نے شادی کی، دوسری شادی راجہ اودے سنگھ کی بیٹی جودہ بائی سے ہوئی۔ اسی طرح بالترتیب راجہ کیشوداس لاہور، راجہ رائے سنگھ راول والی جیسلمیر کی بیٹیاں بھی جہانگیر کے عقد میں آئیں۔ بالآخر نور جہاں بنت غوث الدین سے جہانگیر کی شادی ہوئی، اس کا نام مہر النساء تھا، پھر نور محل اور بعد میں نور جہاں کے خطاب سے سرفراز ہوئی۔[67] جہانگیر کا اچھا کام زنجیر عدل لگوانا تھا جو کہ عدل جہانگیر کے نام سے مشہور ہے۔ جہانگیر فن مصوری کا بڑا شوقین تھا اس کے دور میں مصوری نے

---

[64] آپ بابا فرید گنج شکر کی اولاد میں سے تھے۔ ۱۴۹۲ میں پیدا ہوئے۔ ایک عرصہ تک اسلامی ممالک: حجاز، روم، بغداد، شام اور نجف میں سرگرم سیاحت رہے۔ خلیق احمد نظامی، **تاریخ مشائخ و چشت**، (اسلام آباد: دار المؤلفین، س ن)، ۲۲۷۔

[65] خواجہ نظام الدین احمد، **طبقات اکبری**، مترجم: محمد ایوب قادری (لاہور: اردو سائنس اکیڈمی۔ ۱۹۹۰ء)، ۳۵۲:۲۔

[66] فرید آبادی، **محمد بن قاسم سے اورنگ زیب عالمگیر تک**، ۳۷۴۔

[67] جہانگیر، **تزک جہانگیری**، ۲۰۔

بڑی ترقی کی۔ کشمیر میں کئی باغات اور عمارتیں بنوائیں، ان میں شالامار باغ اور نشاط باغ آج بھی موجود ہیں۔ آگرہ کے قریب سکندرہ میں اکبر کا شاندار مقبرہ بھی جہانگیر کے دور کی تعمیر ہے۔ لاہور اور آگرہ کے قلعے میں بھی اس نے کئی عمدہ عمارتیں بنوائیں۔[68]

دور جہانگیر میں ہندوؤں کے ساتھ رواداری کی پالیسی اپنائی گئی، جہانگیر بھی اپنے والد کی طرح ہندوں پر مہربانی کرتا تھا۔ اس نے پوری سلطنت میں یہ حکم جاری کر رکھا تھا کہ کوئی مسلمان کسی ہندو کو زبردستی اسلام میں نہ لائے۔ اس نے غیر مسلموں کو اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت دے دی تھی۔[69] جہانگیر کے دور میں ہندو جرنیل برابر خدمت بجالاتے رہے اور سلطنت مغلیہ کی حدود وسیع سے وسیع تر کرتے رہے۔ مثلاً اوداجی نے دکن کی مہمات میں حصہ لیا۔[70] اس دور میں مدد معاشیات ارضیات کا ادارہ دیہاتی ہندوستان کی سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی زندگی پر بڑے اہم اثرات کا حامل ہوا۔ اجتماعی اعتبار سے اس ادارے کے باعث دیہاتی آبادی میں مذہبی رواداری کا احساس پیدا ہوا اور مسلمان ملک کے اندرونی علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے اور ہندو آبادی سے براہ راست ربط و ضبط پیدا کیے۔ مسلمانوں نے مذہبی معتقدات کو تو محفوظ رکھا البتہ مقامی رسومات سے ضرور متاثر ہوئے۔ مقامی جشن اور میلوں میں حصہ لینے لگے اور دیہاتی زندگی کے مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھی بن گئے۔ ہندو مسلمانوں کو ماضی کی بنیاد پر ترک اور ملیچھ اصطلاحات سے یاد کرتے تھے لیکن وقت کے ساتھ اس میں بھی تبدیلی آئی اور یہ تعصب دور ہوا۔[71] مذہبی رواداری کے مثبت رجحان نے مغلیہ دور میں قابل ذکر ترقی کی ہے۔ اس دور میں ہر انسان کو مذہب کی پیروی کی مکمل آزادی تھی۔ دور جہانگیر میں بھی ہندو اور مسلم نہایت اطمینان کے ساتھ رہتے تھے فوجی اور غیر فوجی ملازمتوں میں برابر کے مواقع حاصل تھے اور ایک مناسب اور خوشحال معاشرہ نظر آتا ہے۔

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کا دور حکومت اور معاشرتی حالات

شاہ جہاں کے بعد اس کا بیٹا اورنگ زیب تخت نشین ہوا۔ اورنگ زیب تیموری خاندان کا ہندوستان میں سب سے بڑا حکمران تھا اور اس کے دور میں تیموری سلطنت نقطہ عروج پر پہنچی۔ جب بھی شاہ جہاں نے اس کو معرکہ آرائی

68- میر ٹھی، مرجع سابق، ۳: ۳۶۳۔

69- بانو محبوب، **جہانگیر کی مذہبی پالیسی** (لاہور: سانجھ ٹیمپل روڈ، ۲۰۰۸ء)، ۹۰۔

70- عزیز احمد، **برصغیر میں اسلامی کلچر**، ۱۵۴۔

71- نعمان احمد صدیقی، **مغلوں کا نظام مال گزاری** (لاہور: سمیرا پبلی کیشنز، ۱۹۰۰ء)، ۲۰۔ ۲۱۔

کے لیے بھیجا، سرخرو ہوا۔ اور نیک اس قدر تھا کہ بدخشاں میں ازبکوں سے لڑائی کے دوران نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ اورنگ زیب نے لڑائی کے دوران نماز ادا کی، اس کا یہ عمل دیکھ کر ازبکوں کے سردار عبد العزیز خان نے فوراً لڑائی بند کی اور کہا جو شخص خدا سے ڈرتا ہو اسے کسی کا ڈر نہیں اور ایسے شخص سے لڑنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔[72] اورنگ زیب، شاہ جہاں کا تیسرا لڑکا تھا جو ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ میں ممتاز محل دختر آصف جاہ مشہور ملکہ نور جہاں کی بھتیجی کے بطن سے پیدا ہوا۔[73] شاہ جہاں کے چار بیٹے تھے ایک اورنگ زیب، دوسرا دارا شکوہ اور تیسرا شجاع جو اورنگ زیب سے بڑے تھے۔ چوتھا چھوٹا بھائی تھا جس کا نام مراد تھا۔[74] عالمگیر عہد شہزادگی میں ہر کام کی نگرانی خود کرتا، ہر آنے جانے والے پر نظر رکھتا، شہر کی خبروں سے باخبر رہتا، روزانہ کی بنیاد پر بازاروں کے نرخ معلوم کرتا، افسران فوج کی عزت کرتا۔ علما اور صوفیا سے محبت اور احترام کا تعلق رکھتا تھا۔ ملا عبد اللہ سیالکوٹی کے علم و عقل کا سن کر ان کو اجمیر بلا لیا۔ ان کی رحلت کے بعد بادشاہ نے ان کے چاروں بیٹوں اور اہلیہ کے وظائف مقرر کر دیئے۔ شیخ نظام الدین اولیا اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزارات پر حاضری دیتا اور وہاں کے خدام کو انعام و کرام سے نوازتا۔[75] عدل و انصاف کے معاملے میں ایسا سخت کہ اعلان کروا رکھا تھا کہ بادشاہ کے خلاف کوئی مقدمہ ہو تو عدالت میں چلایا جا سکتا ہے "محکمہ احتساب" قائم کیا تھا جس کا مقصد لوگوں کو ناجائز اور برے اعمال سے روکنا تھا۔ یہ محکمہ شراب، جوا اور دوسرے برے کاموں کی روک تھام کے لیے تھا۔ اس سے پہلے بادشاہ شعراء کی سرپرستی کرتے لیکن اس نے درباری شعراء کی بھی سرپرستی ختم کر دی۔ امراء کو ہیرے جواہرات سے جڑے لباس زیب تن کرنے سے بھی منع کر دیا۔ دور دراز کے علاقوں تک سڑکوں کے ساتھ مسافر خانے، مساجد، کنوئیں اور حمام بنوائے تاکہ مسافروں کے لیے منزل تک پہنچنے میں کسی قسم کی مشکلات کا سامنانہ کرنا پڑے۔ اس نے محل اور مقبروں کی بجائے مساجد تعمیر کروائیں۔ اس دور کی عمارتوں میں سب سے مشہور لاہور کی شاہی مسجد ہے۔ ماضی کی برائیوں اور بگڑی ہوئی عادات کا اس نے سختی سے نوٹس لیا۔

شیخ محمد اکرم مغلیہ دور کی معاشرتی برائیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> " یہ معاشرے میں اس قدر سرایت کر چکی تھیں کہ بد چلنی کے سیلاب کے ساتھ توہم پرستی بھی عام ہو چکی تھی۔ جادوگروں، نجومیوں اور کرامت کے دعوے داروں سے دار الحکومت بھرا پڑا تھا۔ نجومی دریوں پر بیٹھ کر رمل و

72- فرید آبادی، **محمد بن قاسم سے اورنگ زیب عالمگیر تک**، ۵۳۶۔

73- میرٹھی، مرجع سابق، ۳:۱۹۷۔

74- اقبال، **تاریخ ہند**، ۱۴۱۔

75- میرٹھی، مرجع سابق، ۳:۱۹۷۔ ۲۲۷۔

> نجوم کی گفتگو کرتے اور اپنے الو سیدھے کرتے۔ چنانچہ عالمگیر کے بادشاہ بنتے ہی اس نے اپنی ساری کوششیں ان معاشرتی برائیوں کے خاتمہ میں صرف کر دیں ۱۶۶۴ء میں اس نے ”ستی“ کی ممانعت کی۔ بچوں کو غلام کے طور پر یا خواجہ سرا کے طور پر بیچنے پر پابندی عائد کی۔“ [76]

اسلامی قوانین کے متعلق کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو تمام حنفی مسائل پر حاوی ہو۔ عالمگیر کو خود بھی شرعی احکام سے لگاؤ تھا اسی وجہ سے اس نے کتاب کے لکھنے کی طرف توجہ دی۔ عالمگیر نے ایک مستقل محکمہ ” تالیف فتاویٰ “ قائم کیا اور شاہی دربار کے کتب خانے کو اس کام کے لیے وقف کر دیا۔ تقریباً دو لاکھ روپے صرف کر کے یہ کتاب مکمل کروائی۔ جو ” **فتاویٰ عالمگیری** “ کے نام سے موسوم ہے۔[77] عالمگیر کے دور میں مذہبی رواداری کے معاملات میں کمی نظر آتی ہے جس کی بدولت مختلف اطراف میں نفرت کے آثار نظر آنے لگے۔ ہندوؤں کو پالکیوں اور گھوڑوں کی ممانعت کر دی گئی اور ہندو امراء کو اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کیا گیا اور عہدوں سے معزول کر دیا جاتا۔ ان کے محصول بڑھا دیئے گئے جس کی بدولت انہوں نے کاروبار بند کر کے احتجاج کیا لیکن عالمگیر پر کوئی اثر نہ ہوا جو کہ اس کے خلاف نفرت کا سبب بنا۔[78] لیکن دوسری طرف یہ عالم تھا کہ ہندو اور مسلمان ابتدائی مکاتب، مدارس میں اکھٹی تعلیم حاصل کرتے اور اس وقت مکتبوں میں غیر مذہبی تعلیم ہوا کرتی تھی۔ یہاں سے فراغت پا کر ہندو اپنے مذہبی مدرسوں میں جاتے تھے۔[79] یہاں تک کہ عالمگیر دور میں تمام مذاہب کے افراد کو مذہبی رسومات ادا کرنے کی روک ٹوک نہ تھی، شراب نوشی مسلمانوں کے لیے منع تھی لیکن اوروں کو پینے کی اجازت تھی۔ عیسائیوں کے معبد خانے دارالحکومت تھے۔ لوگ بلا روک ٹوک مذہبی فرائض انجام دیتے تھے۔ ہندوؤں کو اپنے مندروں میں پرستش کرنے کی کوئی پرسش نہیں کی جاتی۔[80]

مذہبی رواداری کا ذکر کرتے ہوئے ظہیر الدین فاروقی لکھتے ہیں:

> “Muslims freely joined in Hindus festivals and took active part in celebrations. Aurangzeb’s own attitude is reflected in the

---

[76] اکرم، رود کوثر، ۱۵۷۔

[77] میر ٹھی، مرجع سابق، ۳:۷۳۴۔

[78] محمد لطیف، نفس مرجع، ۳۷۰۔

[79] میر ٹھی، مرجع سابق، ۳:۷۳۹۔

[80] مرجع سابق، ۳:۷۲۷۔

> fact that during the festival of Dasahra he used to distribute robes of honor among his Hindus nobles.[81]"

موت ایک حقیقت ہے چاہے کوئی کسان ہو یا بادشاہ، اس کا مزہ ہر ایک کو چھکنا ہے۔ آخری عمر میں عالمگیر دکن کے انتظامات میں مصروف تھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے بیمار ہوا۔ ۹۱ سال کی عمر میں ۱۱۱۸ھ کو وفات پا گیا۔ دولت آباد کے قریب شیخ برہان الدین اور شاہ زری کے مزاروں کے درمیان دفن کیا گیا۔ اورنگ زیب پچاس سال دو ماہ اور ستائیس دن بحیثیت بادشاہ سلطنت پر معمور رہا۔ [82]

خلاصہ بحث

برصغیر کا معاشرہ مسلم دور میں اگرچہ جاگیر دارانہ تھا لیکن اس کے باوجود اعلیٰ پیمانے پر ثقافت پرور اور ترقی پذیر تھا۔ علوم وفنون کی سرپرستی، ذوق سلیم کی حوصلہ افزائی، روشن خیالی، شوکت ونمود کی قدر شناسی اور مذہبی رواداری میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔ ملکی آبادی ضرورت سے زیادہ نہ تھی جس بناء پر لوگ آسائش وخوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ذرائع آمدورفت محفوظ تھے۔ سڑکوں کے اردگرد مسافر خانے، سایہ دار درخت اور مناسب فاصلے پر سرائیں موجود تھیں۔

برصغیر کا معاشرہ زیادہ تر دیہاتی علاقہ پر مشتمل تھا اور ہندو عوام زیادہ تر کاشتکار تھے۔ معاشرے میں سب سے ارفع واعلیٰ بادشاہ کی شخصیت ہوا کرتی۔ بادشاہوں کا دربار عالیشان اور تہذیب وثقافت کا مرکز ہوتا تھا۔ دربار اور محل کی زندگی سے وابستہ افراد کے مہذب وشائستہ افکار واطوار، تہذیب وشائستگی کے میعار تصور کیے جاتے۔ ان سے معاشرتی قدریں بہت زیادہ متاثر تھیں۔

مغلیہ ادوار کے امراء اور جاگیر دار ملک کے امیر ترین طبقے میں شمار ہوتے تھے، اقتدار انہی کے ہاتھوں کی زنجیر تھا۔ متوسط طبقہ جس میں علما، اساتذہ، اطباء، سرکاری ملازمین، تاجر، فنکار اور دستکار شامل تھے۔ یہ دور بڑے علمی اور قابلیت رکھنے والے لوگوں پر مشتمل تھا اور مغلیہ دور کے معاشرے میں ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔

اس معاشرے کا طرز زندگی مذہبی تکلفاتسے آزاد تھا۔ دونوں اقوام ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے بہت قریب تھے اور قربت کا یہ عالم تھا کہ کہیں کہیں آپس میں رشتہ داریاں بھی پیدا ہو چکی تھیں اسی طرح ہندوں کے

---

[81] ZahiruddinFaruki: Aurangzeb, Dr. Khan east India trade, Al Rahman building, The Mall Lahore, 1977, P: 213.

[82] صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، ۳: ۷۳۷۔

خاندانوں میں مسلسل شادیاں کرنے کا رواج عام ہو گیا تھا۔ ان کے شعائر کو حکومتی سطح پر نہ صرف منایا جاتا بلکہ آہستہ آہستہ اس کو اپنایا جاتا رہا۔ دونوں کو فوجی اور غیر فوجی معاملات میں برابری کے مواقع حاصل ہوتے تھے۔

دونوں اقوام نے ایک دوسرے کا ادب پڑھا جس سے دونوں اقوام کی تہذیبوں پر اثرات مرتب ہوئے۔ تمام ادوار میں مذہبی رواداری کا پہلو انتہائی نمایاں نظر آتا ہے لیکن یقیناً بہت سے ایسے افعال منظر عام پر آنے لگے تھے جو صریحاً غیر شرعی تھے یہاں تک کہ کہ ایک دوسرے کے تہواروں اور رسم و رواج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے لیکن اس کا مثبت پہلو یہ تھا کہ اسی بناء پر مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان خلوص و محبت پر مبنی خوشگوار اور مستحکم معاشرہ وجود میں آیا۔ مغلیہ دور میں مذہبی رواداری کے مثبت رجحان نے قابل ذکر ترقی کی۔ یہاں ہر فرد کو اپنے مذہب کی مکمل آزادی حاصل تھی۔ ہندو مسلم نہایت اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔

نتائج تحقیق:

مسلم سلاطین نے اپنے ادوار میں اسلام کے بنیادی اصولوں کو اپناتے ہوئے برصغیر میں اس کو لاگو کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جو کہ اسلام کے آفاقی ہونے کی دلیل ہے اور ان اصولوں کا اطلاق مسلم و غیر مسلم کے لیے یکساں نظر آتا ہے۔

۱۔ قطب الدین ایبک پہلا حکمران تھا جس نے مقامی ہندو ملازمین پر اعتماد کیا۔ اس کے بعد التتمش نے بھی اپنے دور میں کافی جدت لانے کی کوشش کی۔ خوبصورت عمارتیں بنوائیں، عدل و انساف کے عمل کو تیز کیا اور عوام کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے اپنے آرام تک کی قربانی دی۔ جس کی ایک مثال محل کے برجوں میں زنجیر کا لٹکانہ تھا۔

۲۔ غیاث الدین بلبن نے تقریباً چالیس سال حکومت کی۔ اس کا زمانہ خیر و برکت کا زمانہ قرار دیا جاتا تھا۔ انتظام سلطنت اور عدل و انصاف میں امیر اور غریب کی برابری کی مثال شاندار تھی، الغرض اس کی رعایا مسرور و مطمئن تھی۔ قاضیوں کو مقدمات کے فیصلوں میں غیر جانبداری سے کام لینے کے احکامات دیئے جاتے تھے۔

۳۔ تغلق دور میں مسلم، ہندو کی تفریق سے قطع نظر عوام نے راحت کی زندگی بسر کی۔ ایسے اصول وضع کیے گئے جن سے عوام کی خوشحالی ممکن ہو پائی۔ زراعت کو ترقی دی گئی، خراج اور لگان کے معاملات میں آسانی کر دی گئی۔ محمد تغلق نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ ہندوں کو اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا، دولت کی فراوانی سے عوام کو نوازا لیکن بعد میں حکومتی گرفت کمزور ہوئی تو انہی لوگوں نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی۔

۴۔ برصغیر کے مسلم حکمرانوں میں مذہبی اختلافات کا تعصب نظر نہیں آتا۔ بابری دور کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس نے رواداری کے اصول کو فروغ دیا اور جنگوں میں کامیابی کے باجود رحم دلی کا برتاو کیا۔

۵۔ مسلم سلاطین نے رفاہ عامہ کے کئی مفید کام کیے جس سے ملکی ترقی میں اضافہ ہوا۔ سڑکوں کے نظام کو بہتر کیا، ان کے کناروں پر سایہ دار درکت لگوائے جس سے تجارت کو فروغ ملا۔ ڈاک کا انتظام انتہائی موثر ہوا۔ جگہ جگہ مسافروں کے لیے سہولت کے لیے سرائیں بنی ہوئی تھیں۔

٦۔ اکبر نے خود اور خاندان کے لڑکوں کی شادیاں ہندو خاندانوں میں کیں، اس کا مقصد تفرقے کو ختم کر کے یکجہتی اور اتحاد پیدا کرنا تھا۔ اکبر نے ہندو مسلم کی تفریق کو مٹا دیا اور سب سے بلا امتیاز سلوک کرنے لگا۔ تمام لوگوں کو مراتب کے مطابق دربار میں بلاتا، تمام مذاہب کے علما و فضلا کو عزت و تکریم دیتا۔

۷۔ جہانگیر نے بھی ہندوں کو مندر بنانے کی مکمل آزادی دے رکھی تھی جس طرح کہ اکبر کے دور میں تھا۔ ایسے ہی مذہبی رواداری کے مثبت رجحان نے مغلیہ دور میں قابل ذکر ترقی کی ہے۔

Bibliography

1 *Aslam Rāhī, ZahīruddīnBābar, Karachi: Sheikh Book Agency.*

2 *BānoMehbūb, Jahangir kīMazhabī Policy, Lahore: Sanjh Temple, ..2008*

3 *Muhammad Aslam, DīnIlāhi or us ka PasiManzar, Lahore: Nadwat Al-Musnafin, .1980*

4 *SarwatSolat, Milat Islamiyah kiMukhtasarTarīkh, Lahore: Islamic Publications, .2004*

5 *Jawzjānī, TabaqātNasiri, Lahore: Sang-e-Mīl Publications, .1998*

6 *Khaliq Ahmad Nizamī, Saltīn Delhi kyMazhabīRujhanāt, Lahore: Nigarshat, .1980*

7 *Dr. Sheikh Muhammad Iqbal, Tarīkh Hind, Lahore: Educational Publishers, .1913*

8 *Dr. Mubarak Ali, Tarīkh or Moarakh, Lahore: Fiction House, .1992*

9 *SajjādMīruthī, Tarīkh-e-Millat, Lahore: IdārahIslamiyāt, 1991*

10 *Syed Sabahuddīn Abdul Rahmān, Maqālāt-e-Sulaiman: Syed SulaimankyTarīkhiMadhamīnkāMajmūah, Islamabad: National Book Foundation, Islamabad, .1979*

11 *Syed Sabahuddīn Abdul Rahmān, Babar or us kāHindostān, Lahore: Print Line Publishers.*

12 *Zia-ud-Din Burnī, TarīkhFerozShahi, Lahore: Urdu Science Board, .2004*

13 *Zaheer-ud-Dīn Babar, Tuzak-e-Babrī, Delhi: National Council for the Promotion of Urdu Language, .2010*

14 *Abdul QadirBadayūnī, Muntakhib al-Tawārīkh, Lahore: Sheikh Ghulam Ali Sons & Publishers.*

15 *Aziz Ahmad, Baresaghīr main IslamīKalchar, Lahore: IdarahThaqāfat-e-Islamiah.*

16 *IshratBasrī, Islam main GhairMuslimonkyHuqūq, Multan: Almās Sons Publishers, .2010*

17 *Mohammad QasimFarshta, TarikhFarshta, Lahore: Al-Mizan.2004*

18 *Faridabadī, Muhammad Bin Qasimsy Aurangzeb Alamgir,tak Lahore: IdarahMuaraf-e-Islamī Mansoura.*

19 *QaziJaved, Hindi-Muslim Tahzīb, Lahore: Nigārshāt, .1995*

20 *Col. Mellon, Rules of India Series, Karachi: City Book Point, .2008*

21 *Mubarak Ali, JahangīrkāHindostān, (Lahore: Saanjh Temple, .2008*

22 *Mubarak Ali, ‘Ahid-e-WustākāHindostān, Lahore: Sanjh Temple .2008*

23 *Mohammad Akram, Rwod-e-Kauthar, Lahore: IdārahThaqāfat-e-Islamiah.*

24 *Muhammad ZakaullahDehlavī, Tarīkh-e-Hindostān, Ali Gharh: Matba‘ Institute, .1915*

25 *Muhammad Latif, Tarīkh-e-Punjab, Lahore: Takhlīqāt, .1994*

26 *Mufti Shokat Ali, Hindostān par IslamīHukumat, Delhi: Din-o-Dunya Publishers.*

27 *Nizamuddin Ahmad, Tabqāt al-Kubrā, IdārahTahqīq-o-Tasnīf,*

28 *Noman Ahmad Siddiquī, MughlonkāNizām-e-mālguzārī, Lahore: Sumsirā Publications, .1900*

29 *Nūr-ud-DīnJahangīr, Tuzk-e-Jahangīr, Lahore: Sang-e-Mīl Publications, .2004*

30 *A. L Srivastava, The sultanate of Delhi, educational publishers, Agra, .1950*

31 *Agha Mahdi Hussain, The rise and fall of M. Bin Tughluq, Burleigh press, Bristol, London, 1938*

32 *ZahiruddinFaruki: Aurangzeb, Dr. khan east India trade, Al Rahman building, The Mall Lahore,1977*